بسم اللہ الرحمن الرحیم

ہندوستان میں

تدریس فقہ واصول فقہ

فنی اور تاریخی نقطۂ نظر سے

مولانا مفتی اختر امام عادل قاسمی

بانی و مہتمم جامعہ ربانی منوروا شریف

شائع کردہ: مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی، منوروا شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فقہ اسلامی ایک انتہائی مشکل موضوع ہے جس میں ہر دور کے بہترین دماغ خرچ ہوئے ہیں اور امت کے ذہین ترین لوگوں نےاس پر کام کیا ہے،دیگرعلوم وفنون کی طرح اس کی فنی اہمیت بھی بہت زیادہ ہے لیکن اصل چیز جس نے ہر دور میں اس کو زندہ فن کے طور پر باقی رکھا ہے اور جس میں دنیا کا کوئی علم وفن اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا وہ ہے حالات زمانہ پر اس کی تطبیق کا مسئلہ،یہ محض ایک فن نہیں ہے جو تحقیق وریسرچ کی چہاردیواریوں میں محدود رہے بلکہ دنیا کی قیادت اس کے ہاتھ میں ہے،احوال زمانہ پر اس کی نظر ہے،سوسائٹی کا نظم وضبط اس کے ذمہ ہے،نظام اخلاق کی باگ ڈور اس کے پاس ہے،احوال وظروف کی تشکیل میں اس کا بڑا حصہ ہے،............

اسلامی قانون اخلاق اور انسان کی پرائیوٹ لائف سے بھی بحث کرتا ہے اور سیاسی اور اجتماعی نظام سے بھی،اسلامی قانون انسانی دنیا کے لئے خدا کا شاندار عطیہ ہے،انسانوں کا بنایاہوا کوئی قانون اس کی ہمسری نہیں کرسکتا،جب تک دنیاپر اسلامی قانون کی حکمرانی قائم رہی دنیا میں امن وسکون اور خوشحالی وفارغ البالی بھی پورے طور پر باقی رہی لیکن جب سے دنیا اس قانون کے سایہ سے محروم ہوئی ہے بد امنی،بد

چلنی، غربت وبھوک مری عام ہوئی، محبت ورواداری نے دم توڑدیا، انسانی قدریں پامال ہوئیں، سارا فلسفۂ اخلاق کتابوں کے اوراق تک محدود ہو کر رہ گیا، عام زندگی سے اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا، قانون کو بازیچۂ اطفال بنادیا گیا، قانون کو اپنی خواہشات کی تکمیل کا ذریعہ بنا لیا گیا، دنیانے اسلامی قانون سے محرومی کیا گوارا کی، زندگی کی ساری رونقوں سے محروم ہوگئی، آج دنیا کو پھر اسی قانون کی ضرورت ہے۔

فقہ اسلامی کی تعلیم وترویج میں مدارس اسلامیہ کا کردار

اللہ کا کرم ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں کا مدارس دینیہ کے توسط سے فقہ اسلامی کے اس عظیم سرچشمہ سے مضبوط رشتہ قائم ہے، اور مدارس کے ذریعہ صدیوں سے فقہاء اور قانون اسلامی کے ماہرین کی تیاریوں کا سلسلہ جاری ہے، اور جب تک اللہ پاک نے اس سرزمین پر اپنے دین کی بقاوتحفظ کا فیصلہ کیا ہوا ہے یہ تسلسل بھی اسی طرح جاری رہے گا انشاء اللہ۔

مدارس کے نصاب تعلیم میں ہمارے سلف صالحین اور ماہرین تعلیم نے فقہ اور اصول فقہ کی جو منتخب کتابیں شامل کی ہیں، وہ ان بزرگوں کی فنی مہارت، فقہی بصیرت اور زمانہ آگہی کی آئینہ دار ہے، یہ کتابیں بتدریج طالب علم میں فقہی ذوق اور قانونی ملکہ پیدا کرتی ہے،

تعلیم کا مقصد حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ کے بقول دو باتوں کا پیدا

کرنا ہے ،(۱)طالب علم میں خود سوچنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے ،(۲)نیز دوسروں کی بات سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے ،(ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۳۰۷)   اور مروجہ نصاب سے یہ دونوں مقاصد پوری طرح حاصل ہوتے ہیں۔

فقہ اسلامی کا نصاب -ایک جائزہ

یہ خیال درست نہیں کہ قدیم ہندوستان میں کتابوں کی دستیابی کا مسئلہ بہت اہم تھا اس لئے جو کتابیں بھی میسر ہوئیں ان کو شامل نصاب کر دیا گیا،اور اس کے ثبوت میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے کہ جب وہ اپنی فارسی تفسیر قرآن فتح العزیز لکھ رہے تھے تو ان کو امام رازیؒ کی مشہور تفسیر کبیر تلاش بسیار کے باوجود کہیں نہ مل سکی،تو پھر بمشکل قلعۂ معلیٰ کے شاہی کتب خانہ سے چند دنوں کے لئے عاریۃً ان کو یہ کتاب مل پائی (نظام تعلیم وتربیت ج ۱ ص ۳۲)

ممکن ہے حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ایسا کوئی واقعہ پیش آیا ہو لیکن محض اس ایک جزوی واقعہ سے ہندوستان کے بارے میں کتابی افلاس کا تصور قائم کر لینا بہت بڑی زیادتی اور تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہوگی ،اس لئے کہ خود حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے جن علوم وفنون کا مطالعہ کیا ان کی تعداد ڈیڑھ سو(۱۵۰)ہے(ملفوظات عزیزیہ ص ۳۶)

ظاہر ہے کہ کتابوں کے بغیر ان علوم کا حاصل کرنا ممکن نہیں تھا،

☆علاوہ ازیں خود ان کی یا اس عہد کی لکھی جانے والی کتابوں مثلاً: فتاویٰ عزیزیہ ،تحفۂ اثنا عشریہ (شاہ عبدالعزیز دہلویؒ) حجۃ اللہ البالغہ ،ازالۃ الخفاء ،الانصاف (حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ،) تفسیر مظہری (حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ،) عبقات (حضرت مولانا اسمعیل شہید دہلوی)،وغیرہ حدیث وتفسیر اور فقہ کی بنیادی کتابوں کا جائزہ لیا جائے تو وہ بے شمار حوالوں سے لبریز ہیں۔

☆عہد عالمگیری میں فتاوی ہندیہ کی ترتیب عمل میں آئی ،اس کے مراجع کی بڑی لمبی فہرست ہے،جو اس کمیٹی کے زیر مطالعہ تھی،

☆فیروز تغلق کے عہد میں فتاویٰ تاتارخانیہ مرتب ہوئی،جو اب ۲۲ جلدوں میں چھپ کر آگئی ہے ،اس کے مراجع اور حوالوں میں بہت سی ایسی کتابیں بھی نظر آتی ہیں جو آج دستیاب نہیں ہیں،

☆قدیم گجرات کے دارالسلطنت نہروالہ میں وہاں کے مفتی اعظم علامہ قاضی حماد بن قاضی اکرمؒ کے اشارہ پر علامہ ابوالفتح رکن بن حسام المفتی الناگوریؒ نے فتاویٰ حمادیہ مرتب کی جو ایک جلد میں چھپ کر آگئی ہے،اس کے مراجع کی فہرست بھی بڑے سائز کے پورے دو صفحات سے زائد میں ہوگی۔

☆اسی طرح جونپور میں فتاویٰ ابراہیم شاہیم مرتب ہوئی،جو درجنوں کتابوں کی عطر ہے۔

☆عہد عالمگیری کے مشہور عالم و مصنف قاضی محب اللہ بہاریؒ (جو صدارت مجموعۂ ممالک ہندوستان کے منصب پر فائز تھے، اور جن کے بارے میں علامہ شبلی کا بیان یہ ہے کہ ان کی دو کتابیں سلم العلوم اور مسلم الثبوت مع ان کی شروحات قاضی حمد اللہ، ملا حسن، ملا مبین، شرح سلم بحر العلوم، فواتح الرحموت وغیرہ درس نظامی کے پورے نصاب تعلیم کے نصف حصہ پر دو سو سالوں تک حاوی رہی، (مقالات شبلیؒ ج) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب مسلم الثبوت کے آخر میں جن مراجع کی نشاندہی کی ہے، ان کو پڑھ کر کسی طرح یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کے اسلامی عہد میں کتابوں کی بڑی قلت تھی، خود ان ہی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

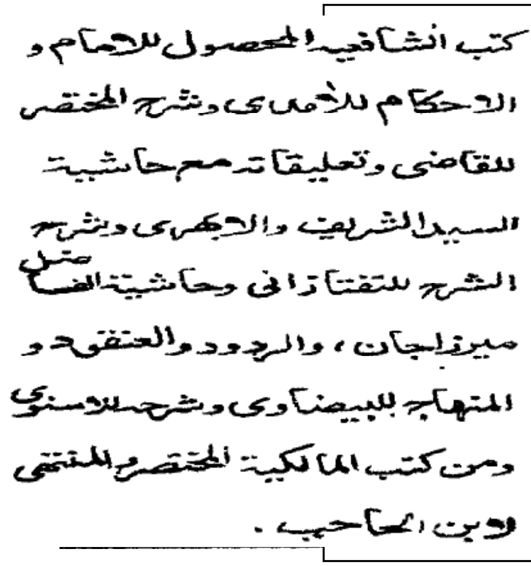
كتب الشافعية المحصول للامام و
الاحكام للآمدي وشرح المختصر
للقاضي وتعليقاته مع حاشية
السيد الشريف والابهري وشرح
الشرح للتفتازاني وحاشية الفاضل
ميرزاجان ، والردود والنقود و
المنهاج للبيضاوي وشرحه للاسنوي
ومن كتب المالكية المختصر والمنتهى
لابن الحاجب .

☆حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ کے صاحبزادہ شاہ نورالحق نے اپنی فارسی شرح بخاری تیسیر القاری کے دیباچہ میں جن مراجع کی نشاندہی کی ہے وہ بھی مذکورہ بالا مفروضہ کی تردید کرتا ہے، لکھتے ہیں:

"زبدہ وخلاصہ ایں چند شرح کرمانی ،فتح الباری ،عینی ،سیوطی ،شرح تراجم وقسطلانی کہ متداول علماء روز گار است (تیسیر القاری ج ا ص ۳ بحوالہ نظام تعلیم)

اس اقتباس سے معلوم ہوتاہے کہ یہ کتابیں عام طور پر اس دور میں علماء کے پاس دستیاب تھیں ،بعض علماء کے ذاتی کتب خانوں میں اتنی کتابیں ہوتی تھیں جو آج لائبریریوں میں میسر نہیں ہیں،

☆خود بادشاہوں کا علمی ذوق بہت بلند تھا،شہنشاہ اکبر جو نسبتاً کم تعلیم یافتہ بادشاہ تھااس کے بارے میں تاریخ کی معتبر شہادت یہ ہے کہ بادشاہ کے علمی ذوق کے پیش نظر لوگ عرب سے اس کی خدمت میں کتابوں کاہدیہ پیش کرتے تھے ،اکبر کی شاہی لائبریری میں علامہ حمویؒ کی معجم البلدان جیسی ضخیم کتاب موجود تھی،بلکہ اس نے چند مترجمین کی خدمات حاصل کرکے اس کا فارسی ترجمہ بھی کرایا تھا،(تاریخ ملاعبدالقادر ج۳ص۳۷۵)

اس طرح اس کم خواندہ بادشاہ نے اکیڈمک ترجمہ وتصنف کی بنیادرکھی ،جو آج کا سب سے معروف طریقہ سمجھا جاتا ہے،اکبر نے مہابھارت اور تاریخ

کشمیر کا فارسی ترجمہ بھی اسی اجتماعی طرز پر کرایا تھا،ایک تاریخ الفی کا بھی ذکر ملتا ہے جو اکبر نے متعدد مصنفین کی اجتماعی محنت سے تیار کرائی تھی ،(نظام تعلیم وتربیت ص۵۴ ج ۱)

بعد میں یہی تسلسل حضرت عالمگیر اورنگ زیبؒ کے دور میں فتاویٰ ہندیہ کی ترتیب کی صورت میں سامنے آیا،جو ملا نظام برہان پوریؒ کی سربراہی میں مرتب کیا گیا،بہر حال اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جو ہندوستان کے عہد اسلامی کی علمی اور کتابی سربلندی کے گواہ ہیں،حضرت گیلانیؒ نے اپنی کتاب نظام تعلیم وتربیت میں اس طرح کے بہت سے شواہد کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ جمع کردیاہے۔

جہاں تک تفسیر کبیر کا معاملہ ہے تو بعض تاریخی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ عہد اسلامی میں یہ تفسیر عام طور پر علماء کے پاس دستیاب تھی،اس کی ایک مثال جس کا تذکرہ غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی تاریخ میں کیاہے کہ:

میر طفیل محمد آغاز شباب میں آگرہ نواب فضائل خان کے دربار میں پہونچے ،نواب صاحب پڑھے لکھے آدمی تھے انہوں نے علماء کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک فقہی مسئلہ چھیڑ دیا،اور قرآن کریم کی آیت کریمہ علی الذین یطیقونہ کے تعلق سے استفسار کیا،اس موقعہ پر تحقیق مسئلہ کے

لئے جن کتابوں کی طرف مراجعت کی گئی ،ان میں صحاح ،جوہری ، قاموس ،کشاف ،بیضاوی کے ساتھ امام رازی کی تفسیر کبیر بھی تھی(آثرالکرام ص ۱۵۱)

بہار میں کاغذ کی صنعت

☆کتابوں کی اشاعت کے لئے اس ملک میں باقاعدہ کاغذ سازی کے کارخانے قائم کئے گئے ،اور اس معاملے میں بہار کو خصوصیت حاصل رہی ،ابوالفضل نے آئین اکبری میں ہندوستان کے ہرصوبہ کی صنعتوں اور پیداواروں کا تذکرہ کیا لیکن کاغذ کی صنعت کے لئے صرف بہار کا نام لیا ہے،اس کے الفاظ ہیں:

در سرکار بہار نزدیک موضع راج گیر کان سنگ مرمر ست ،ازو زیورہا برسازندو کاغذ خوب می شود"

سیر المتاخرین کے مصنف نے بھی اسی کے حوالہ سے بہار اور ارول (ضلع گیا)کا ذکر کیا ہے جن کا دور ابوالفضل کے دوسو سال بعد ہے ، (سیر المتاخرین ص۱۹)

مولوی مقبول احمد صمدانی نے میر عبدالجلیل بلگرامی کی سوانح "حیات جلیل "میں سرکاری گزیٹر کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ۱۷۰۳ء میں انگریزی کتابیں پٹنہ کے کاغذ پر چھاپی جاتی تھیں(حیات جلیل ص ۱۴۹)---

بہار شریف میں ایک محلہ ہی کاغذی محلہ کے نام سے مشہور ہے ،غالباً

اس محلہ میں کاغذ کے کارخانے بڑی تعداد میں رہے ہونگے،ان تاریخی بیانات سے ثابت ہوتا ہے کہ عہد اسلامی تا عہد انگریزی خاصے طویل عرصہ تک علم اورکتابوں کی اشاعت کے معاملے میں بہار کا ایک زریں دوررہاہے جو آج کی موجودہ صورت حال میں ایک افسانہ معلوم ہوتا ہے۔

ان تفصیلات سے میری غرض یہ ہے کہ مدارس اسلامیہ میں صدیوں سے رائج فقہ واصول فقہ کے نصاب کو اسلامی ہندوستان کی کتابی کمیابی کا نتیجہ ہر گزنہ سمجھا جائے،بلکہ صدیوں کے تاریخی تسلسل اور ہر دور کے اساطین امت کے اتفاقات نے یہ ثابت کیاہے کہ فقہ اسلامی کی تدریس کے لئے اسلامی موجود لائبریری میں ان سے بہتر کتابیں موجود نہیں ہیں،۔۔۔۔نیز اس انتخاب میں اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیاہے کہ کتابیں انتہائی مستند،ثقہ،اور متقی علماء کی رکھی جائیں،کہ اللہ والوں کی کتابیں پڑھنے سے علم کے ساتھ نور اور دین حاصل ہوتا ہے،اور علم پر عمل کی قوت حاصل ہوتی ہے۔

فقہی نصاب کے دوحصے- تحلیل وتجزیہ

دراصل اس نصاب کے دوحصے ہیں،(۱)درجۂ ضرورت(۲)اور درجۂ فضیلت،

(۱)درجۂ ضرورت میں فقہ کے لئے ابتداءً قدوری اور مجمع البحرین داخل نصاب تھیں،اس کا تذکرہ میر خوردؒ نے سیر المتاخرین میں حضرت سلطان

المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کے عہد کے نصاب تعلیم کے ضمن میں کیا ہے ،(سیر المتاخرین ص۲۸۹)

قدوری تو آج بھی داخل نصاب ہے اور امام ابوالحسین ابن ابی بکر القدوری البغدادیؒ(م ۳۶۲ھ) کی مشہور و مستند فقہی متن متین ہے، جس میں بیسیوں کتابوں سے بارہ ہزار(۱۲۰۰۰)منتخب مسائل کا انتہائی قابل اعتماد مجموعہ ہے ،جو تقریباً ایک ہزار سال سے فقہی درس وتدریس کا محور ہے ،البتہ مجمع البحرین جسے علامہ ابن الساعاتیؒ نے قدوری اور النسفی کے فقہی منظومہ کو سامنے رکھ کر مرتب کیا تھا،اب افسانۂ ماضی بن چکی ہے،اس کے مضامین کے موازنہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شرح وقایہ کے پایہ کی کتاب تھی،غالباً اسی لئے بعد میں اس کی جگہ شرح وقایہ نے لے لی،شرح وقایہ کب داخل درس ہوئی اس کا صحیح اندازہ تو نہیں ہے ،البتہ ملا عبد القادرؒ نے شیخ احمد فیاض انبیٹھوی کے تذکرہ کے ضمن میں شرح وقایہ کو داخل درس کتابوں میں شمار کیا ہے،(ص ۸۴)

بعد کے کسی دور میں جس کی صحیح تاریخ کا اندازہ نہیں ہے ،درجۂ ضرورت کے فقہی نصاب میں نورالایضاح اور مالا بد منہ کو شامل نصاب کیا گیا،مالا بد منہ قاضی ثناء اللہ صاحب نے اس وقت لکھی جب فارسی زبان کو ہندوستان میں کافی شیوع حاصل ہو گیا تھا،اور نصاب میں عربیت کا لزوم کمزور پڑنے لگا تھا،تو بالکل ابتدائی درجات کے طلبہ کے لئے ایک مجموعۂ مسائل انہوں نے مرتب کیا

،ہندوستان کے عہد فارسی میں یہ کتاب مطالعہ سے بھی سمجھی جاسکتی تھی ،اس طرح یہ گویاطلبہ کے لئے نوٹس بک تیار کیا گیا،

نورالایضاح کا بھی تقریباً یہی طرز ہے ،بلکہ کہنا چاہئے کہ شاید قاضی صاحب کے پیش نظر یہی کتاب ہو ،نورالایضاح کی ترتیب اور زبان بہت خوبصورت ہے ،بہت کم عربی جاننے والے حضرات بھی اس سے استفادہ کرسکتے ہیں ،اسی لئے علماء درس نے اس کتاب پر کافی توجہ دی ،اور اس کی بہت سی شروحات لکھیں ،ہماری درسی کتابوں میں موضوعات خمسہ پر یہ بہترین مجموعۂ مسائل ہے۔

ہمارے بزرگوں نے طلبہ کی ذہنی سطح کا لحاظ کرتے ہوئے ،پہلی ابتدائی جماعت میں مالا بد منہ کو داخل درس کیا، تاکہ مسائل کا ضروری استحضار اور فقہ سے ضروری مناسبت پیدا ہوجائے ،اس کے بعد دوسرے سال میں نورالایضاح داخل کی گئی ،تاکہ سابقہ استحضار اور مناسبت کی مدد سے عربی زبان کی ابتدائی اجنبیت ہضم ہوسکے ،اور مسائل کو براہ راست عربی میں سمجھنے کی طلبہ میں عادت پڑے ،اسی لئے ان دونوں کتابوں کی تدریس میں فنی اور تفصیلی مباحث سے گریز کرتے ہوئے نفس مسائل کی تفہیم اور زندگی سے ان کی تطبیق پر توجہ دینی چاہئے ،اختلافات ائمہ سے بھی تعرض نہ کیا جائے اور کوشش کرنی چاہئے کہ طالب علم ہر مسئلہ کو اس طرح محفوظ کرے جیسے یہ نصاب کی کتاب نہیں بلکہ اس کی زندگی

کا نظام العمل ہو ،جب ہی جا کر ان دونوں کتابوں کے مضامین پر طلبہ کو قابو حاصل ہوپائے گا،ان میں مسائل کے حفظ واستحضار پر بھی یگلونہ توجہ دینے کی ضروت ہے،

دوسالوں کی ذہنی ریاضت کے بعد طالب علم کے سامنے قدوری جیسی فنی کتاب رکھی جاتی ہے ،اس کتاب کو محض مجموعۂ مسائل کے بجائے فنی حیثیت سے پڑھانے کی ضرورت ہے،،بہت زیادہ تفصیل سے بچتے ہوئے فقہ اسلامی کی فنی اہمیت بھی ذہن نشیں کرانا چاہئے ،اس دور میں اختلافات ائمہ سے بھی معمولی تعرض کی گنجائش ہے،یعنی طالب علم محسوس کرے کہ فقہ صرف قوانین کا مجموعہ نہیں بلکہ اس میں تطبیق وتحلیل کی بھی پوری صلاحیت ہے ،اور اس کے پیچھے بڑے عظیم لوگوں کی ذہنی صلاحتیں صرف ہوئی ہیں ،اور یہیں سے اجتہاد اور قیاس کی ضرورت اور اختلافات فقہاء کی توجیہ طالب علم کو سمجھ میں آئے گی،اور وہ محسوس کرے گا کہ فقہ اسلامی کسی جامد قانون کا نام نہیں بلکہ یہ تغیر پذیر حالات کا بھی سامنا کرسکتاہے،اگر یہ مجرد جامد قانون ہوتا توفقہاء کے لئے مجال کلام نہ ہوتا،۔۔۔۔اس طرح قدوری کی تکمیل تک طالب علم کی ذہنی صلاحیت میں کافی جلاپیداہوجائے گی،

اب اس کے بعد شرح وقایہ پڑھتے ہوئے نسبتاًاس کی تفصیل طالب علم کے سامنے آجائے گی ،اور مسائل کی تشریح اور بھی زیادہ بصیرت کے ساتھ

ہوسکے گی،اس طرح شرح وقایہ کا سال ختم ہونے پر طالب علم میں ضروری حد تک فقہی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے،اور مختلف جزئیات وفروع میں توجیہ وتطبیق بڑی حد تک سمجھنے لگتاہے۔

فقہ کا نصاب فضیلت

یہ درجۂ ضرورت کا نصاب فقہ ہے،اس کے بعد درجۂ فضیلت شروع ہوتاہے، جس کو منتہی درجات بھی کہہ سکتے ہیں، درجۂ فضیلت میں بنیادی کتابیں دو ہیں، کنز الدقائق اور ہدایہ، تاریخ وسیر کی کتابوں میں بھی ان کا ذکر ملتاہے ،مثلاً میر خوردؒ نے مولانا قاسم کی لطائف التفاسیر کے حوالہ سے نقل کیاہے کہ انہوں نے مولانا جمال الدین دہلوی سے دیگر فنون کی کتابوں کے ساتھ ہدایہ کا درس لیا(سیر الاولیاء ص۲۰۷)

نزہۃ الخواطر میں ایک سندھی عالم مولانا جلال الدین کی تدریسی کتابوں میں ہدایہ کا خاص طور پر ذکر کیاگیاہے،(ص۲۵۰)

کنزالدقائق کا ذکر بھی نزہۃ الخواطر میں موجود ہے، محمد تغلق ہی کے عہد سے یہ کتاب داخل درس تھی،اس دور کے مشہور عالم مولانا معین الدین عمرانیؒ نے باقاعدہ اس کی شرح لکھی تھی،یہ اس بات کی دلیل ہے کہ علماء اور طلبہ اس کتاب کے درس وتدریس سے کافی دلچسپی رکھتے تھے،(ص۱۶۵)

ملاعبدالقادر بدایونی نے بھی اپنی درسی کتابوں میں کنز کا تذکرہ کیاہے کہ

انہوں نے یہ کتاب میاں حاتم سنبھلیؒ سے پڑھی،(ص ۲۰ ج ۳) کنز متن اور اختصار کا نقطۂ ارتقاء ہے توہدایہ فکر وفن کی معراج ،کنز کو مسائل کے سمیٹنے ،مفتٰی بہ اور معمول بہ مسائل کے احاطہ اور خالص علمی پیرایۂ بیان میں امتیاز حاصل ہے ،اور جس طرح وہ اختصار کے باوجودفنی لطافتوں سے لبریز ہے کہ مبتدی یامتوسط طلبہ کے لئے اس سے پوری طرح لطف اندوز ہونا آسان نہیں ہے ،اس لئے کنز کے مدرس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی معروف عربی شروحات مثلاً تبیین الحقائق وغیرہ کواپنے پیش نظر رکھے،اور ہر مسئلہ کی تفصیلات سے پہلے خود واقف ہو پھر ایک سہل اور قابل ہضم اسلوب میں طلبہ کے سامنے پیش کرے ، آخری کتاب ہدایہ ہے ،اس میں مسائل بھی ہیں اور استدلال بھی ،توفیق وتطبیق بھی ہے اور ترجیح بھی ،ہر مسئلہ کو دلائل نقلیہ کی روشنی میں بھی پیش کیا گیا ہے اور عقل وفکر کی میزان پر بھی پرکھا گیاہے ،فقہاء کے اختلافات کا بھی ذکر ہے ،اور منشأ اختلاف کا بھی بیان ہے ،موازنہ بھی ہے اور محاکمہ بھی ،اصول وکلیات سے بھی اخذ واستفادہ کیاگیاہے اور شریعت کے مزاج ومذاق سے بھی ،اور اہم بات یہ ہے کہ عبارت محاوراتی ،جامع اور سہل ممتنع کا شاندار نمونہ ہے ،کتاب کے مباحث سے اندازہ ہوتاہے کہ صاحب کتاب محدث بھی تھے اورفقیہ بھی،مذہب کے اصولوں سے بھی واقف تھے اور احوال زمانہ سے بھی،ہدایہ کے یہی وہ امتیازات ہیں جن کی بناپر یہ پورے آٹھ سو سالوں سے داخل درس اور محور

تحقیق و تشریح ہے ۔ اس کتاب کی تدریس کے لئے فقہی بصیرت اور مآخذ استدلال سے آگہی کی ضرورت ہے، محض رسمی شروحات کی مدد سے اس کتاب کا حق ادا نہیں ہو سکتا،اس لئے کہ فقہی مسائل کی بنا پر اگر یہ ایک فقہی کتاب ہے تو احادیث وآثار کے بے پناہ حوالوں نے اسے کتاب حدیث بھی بنادیا ہے ،اور عقلی استدلالات کی بناپر یہ معقولی کتاب بھی ہے ،اختلافات فقہاء کے تذکرہ کی بناپر یہ ادب الخلاف کی کتاب بھی ہے ،اور موازنہ ومحاکمہ کی بناپر یہ مناظرہ کی بھی کتاب ہے،اور سب سے اہم بات ہر مسئلہ میں صاحب کتاب کے موقف تک رسائی کا ہے ،ان کا طرز استدلال اور دلائل کی ترتیب اس پر غمازی کرتی ہے کہ صاحب کتاب کے نزدیک کون سی رائے زیادہ قابل ترجیح ہے ؟ہر جگہ اپنے نقطۂ نظر کی یہ صراحت نہیں کرتے ، بلکہ استدلال کی نبض پکڑ کر مسئلہ کی روح تک پہونچنا پڑتا ہے ،۔۔۔ اس لئے اس کتاب کے مدرس کے لئے جامع العلوم ہونا ضروری ہے،

اس مناسبت سے اس واقعہ کا ذکر فائدہ سے خالی نہیں ہو گا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے حلقۂ ارادت میں ایک نامور شخصیت مولانا فخر الدین زراویؒ کی تھی،جو مختلف علوم وفنون میں ید طولیٰ رکھتے تھے،خانقاہ نظامیہ کے بازو میں انہوں نے ایک چھوٹا سا مدرسہ بھی قائم کر رکھا تھا،جس میں ان کے علاوہ بعض دیگر علماء بھی مصروف درس وتدریس رہتے تھے ،ہدایہ کا درس ان کا کافی

مشہور تھا ایک دن وہ ہدایہ کا درس دے رہے تھے کہ اسی اثنا ایک معروف علمی شخصیت مولانا کمال الدین سامانیؒ (غالباً شافعی المذہب تھے)حلقۂ درس میں آکر بیٹھ گئے ،ان کے آتے ہی علامہ زراویؒ کا طریقۂ درس تبدیل ہو گیا، اور انہوں نے ہدایہ میں مذکور احادیث سے استدلال کرنے کے بجائے صحیحین کی احادیث سے استدلال شروع کر دیا، جبکہ اس کے لئے انہوں نے پہلے سے تیاری نہیں کی تھی،(سیر الاولیاء ص ۹۳)

اسی لئے میرا خیال یہ ہے، کہ ہدایہ کا سبق انتہائی صاحب علم اور جامع شخصیات کے حوالہ کیا جانا چاہئے ،ہدایہ کے سبق میں حل عبارت کے بعد سب سے پہلے تصویر مسئلہ رکھنی چاہئے ،اس کے بعد آراء فقہاء، پھر ہر ایک کی دلیلیں واضح لب ولہجہ میں پیش کی جائیں، پھر مسلک راجح پر وجوہ ترجیح کے ساتھ روشنی ڈالی جائے، قول مفتیٰ بہ کیا ہے،وہ بھی بتایا جائے، صاحب ہدایہ کا اپنا رجحان کیا ہے ،عبارت کے بین السطور سے اس کا تعین بھی کیا جائے ،دوسرے مذاہب کے اقوال نقل کرنے میں صاحب ہدایہ سے کہیں کہیں تسامح ہوا ہے ،اس کی اصل مراجع سے تصحیح کی جائے،وغیرہ۔

کتب اصول فقہ

رہ گئیں اصول فقہ کی کتابیں تو مبتدی طلبہ کو اصول فقہ کی چنداں ضرورت نہیں ہے ،اس لئے کہ اصول فقہ دراصل اجتہاد واستنباط اور طریقۂ

استدلال سمجھنے کی کوشش ہے، جس کا وہ تحمل نہیں کرسکتے، البتہ دوتین سالوں کی فقہی ممارست کے بعد جب طالب علم کو مسائل کا بڑی حد تک استحضار ہوجاتا ہے ،تو پھر فقہاء کے طریقۂ استدلال اور اصول وکلیات کے فہم کی اس میں صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے ،اصول فقہ کے نصاب کو بھی ہم دوحصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں ،درجۂ ضرورت اور درجۂ فضیلت ،۔۔۔درجۂ ضرورت میں اصول الشاشی ہے اور درجۂ فضیلت میں نورالانوار اور حسامی ہے ، موجودہ نصاب میں حسامی آخری کتاب مانی جاتی ہے ، لیکن ہندوستان کے اسلامی دور میں چند اور کتابوں کا بھی تذکرہ ملتا ہے ،مثلاً ساتویں اور آٹھویں صدی کے دوران دہلی کی نصابی کتابوں میں علامہ نسفیؒ کی المنار بھی شامل درس تھی ، جس کی شرح نورالانوار آج داخل درس ہے ،اس دور میں المنار کی شرح کے طور پر افاضۃ الانوار کا ذکر ملتا ہے ،جو مولانا سعدالدین محمود بن محمد کی تالیف ہے (نظام تعلیم وتربیت ج ا ص ۱۴۱)

ملاعبدالقادر بدایونیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں عہد اکبری سے پہلے اصول فقہ میں حسامی کی شرح غایۃ التحقیق بھی داخل درس تھی ،خود ملاعبدالقادر نے بھی یہ کتاب شیخ عبداللہ بدایونیؒ سے پڑھی تھی،(ص ۵۶)

اسی طرح ہندوستان کی ابتدائی تعلیم کے عہد میں علامہ فخرالاسلام علی ابوالحسن بزدویؒ کی اصول بزدوی کا ذکر بھی کافی ملتا ہے،اس دور میں یہ اصول فقہ کی آخری کتاب کے طور پر متعارف تھی ، (سیر الاولیاء ص ۲۰۷،نزہۃ الخواطر

ص۲۵۰،)

اس کتاب کی عبارت کافی مشکل اور پیچیدہ ہے ،اور بقول علامہ گیلانیؒ اس کو سمجھنا لوہے کا چنا چبانے کے برابر ہے

(نظام تعلیم وتربیت ص۳۰۷ج۱)

کہتے ہیں کہ علامہ بزدویؒ نے منتہی طلبہ کی ذہنی ریاضت کے لئے بالقصد اتنا مشکل اسلوب اختیار کیا تھا، اسی لئے وہ اپنی مشکل پسندی کی وجہ سے ابو العسر کے نام سے جانے جاتے تھے ،جبکہ انہی کے مشورہ سے ان کے چھوٹے بھائی محمد نے اصول فقہ اور دیگر فنون میں آسان لب ولہجہ میں کتابیں لکھیں تو وہ ابو الیسر کے نام سے مشہور ہوئے ،(مفتاح السعادۃ طاش کبریٰ زادہؒ ج۲ ص۵۵)

اس کتاب نے بڑے بڑے اصحاب علم وفن کے دل ودماغ کو ہلادیا تھا ،دیکھئے بحر العلوم حضرت مولانا عبد العلیؒ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کتنے مرعوب نظر آتے ہیں؟ شرح مسلم الثبوت کے دیباچہ میں رقمطراز ہیں:

وتلك العبارات كأنها صخور مركوزة فيها الجواهر وأوراق مستورة فيها الزواهر تحيرت أصحاب الأذهان الثاقبة في أخذ معانيها وقنع الغائصون في بحارهابالأصداف عن لآليها ولا أستحيي من الحق وأقول قول الصدق أن جل كلامه العظيم لا يقدر على حله إلا من نال فضله تعالى الجسيم وأتى الله وله قلب سليم

(فواتح الرحموت ص۵)

ترجمہ: ان کی عبارتوں کی مثال ایسی ہے جیسے چٹانوں میں کسی نے جواہر جڑ دیئے ہوں، یا ایسے پتے ہیں جن میں پھول چھپے ہوئے ہیں، ذہن وذکاوت ان عبارتوں سے معانی حاصل کرنے میں متحیر ہیں، اور ان دریاؤں میں غوطہ زنی کرنے والے بجائے موتی کے صرف سیپوں پر قناعت کر رہے ہیں، میں اظہار حق میں شرماتا نہیں، میں سچ کہتا ہوں، ان کے کلام کا اکثر حصہ وہی شخص حل کر سکتا ہے جس نے فضل الٰہی سے حصہ پایا ہو اور قلب سلیم رکھتا ہو۔

بعد کے ادوار میں غالباً اسی لئے اس کتاب کو شامل درس نہیں رکھا یا کہ اس کے فہم کا تحمل کرنے والے لوگ عام طور پر موجود نہیں رہے، بہر حال آج کے دور میں یہ تین کتابیں بھی بسا غنیمت ہیں، اور ان کی مدد سے طلبہ میں اصول فقہ کی ضروری اسپرٹ پیدا کی جاسکتی ہے، اصول الشاشی اس کی خشت اول ہے، اور تدریس کے نقطۂ نظر سے انتہائی اہم کتاب ہے، اس کتاب کے ذریعہ بنیادی اصولوں کی تعریفات، ان کے احکام اور ان کی مثالیں بآسانی طلبہ کو ذہن نشیں کرائی جاسکتی ہیں، اس کتاب کے درس میں تفصیل واطناب سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہئے، اور عبارت کے دائرے میں رہتے ہوئے، اصول و اصطلاحات، ان کے احکام، مثالوں کے ضمن میں دیئے گئے مسائل، اور اصولوں کے ساتھ ان کی تطبیق دل و دماغ میں اتارنی چاہئے،۔۔۔۔۔نورالانوار میں تفصیلی مباحث ہیں، اور عبارات میں اطناب بھی ہے، اس لئے یہ تو میں نہیں کہتا کہ عبارت کو بالکلیہ

نظر انداز کر دیا جائے ،البتہ تفہیم مسئلہ میں عبارت کی پابندی کو لازم نہ سمجھا جائے ،کیونکہ طالب علم کی ذہنی سطح اب عبارتوں کے پیچ وخم میں الجھنے سے بالاتر ہو کر اب نفس فن کی تفہیم کی متقاضی ہوتی ہے ،ہمارے مدرسین بڑی غلطی کرتے ہیں جو ہر کتاب کو ایک ہی طرز بیان سے پڑھانے کے عادی ہوتے ہیں،اسی کا نتیجہ ہے کہ نورالانوار اکثر مدارس میں مکمل نہیں ہو پاتی۔۔۔۔

اس فن کی آخری نصابی کتاب حسامی ہے ،جو فلسفۂ اصول فقہ کی کتاب ہے ،یہاں اختصار بھی بہت ہے ، قیود وشرائط کی بھی کمی نہیں ،مصنف بہت سے اعتراضات اور سوالات کا خاموش جواب دیتے ہوئے گذرتے ہیں،اگر طالب علم کے ذہن میں گذشتہ کتابوں کی روشنی میں اصول واصطلاحات اور ان کی نزاکتیں مستحضر نہ ہوں ،تو یہ کتاب اس کے لئے ایک معمہ بن کر رہ جائے گی ،اس لئے اس کتاب کا ہر زیر وزبر فکر ونگاہ کو دعوت دیتاہے ، کہ 'جا اینجا ست ’’اس کتاب میں فن اپنے عروج پر پہنچ جاتاہے اور اگر طالب علم صاحب فہم ہو تو اس کو کافی فائدہ پہونچتاہے، منتہی طلبہ اگر توجہ دے کر اس کتاب کے بنیادی حصوں کو ذہن نشیں کرلیں تو اس فن میں دوسری کسی کتاب کی حاجت باقی نہ رہے گی ۔

طلبہ میں بحث ومطالعہ کو فروغ دیاجائے۔

ایک عام بات جس کی طرف توجہ دیناضروری ہے کہ مدرسین کو چاہئے کہ وہ طلبہ کی سماعت پر اکتفانہ کریں بلکہ ان کو مطالعہ کی ترغیب دیں،ہماری تعلیمی

تاریخ کی سربلندی ،اور طلبہ کی ذہنی تعمیر وتربیت اسی بحث و تحقیق کے ساتھ وابستہ ہے،

علامہ ابن خلدونؒ نے ساتویں اور آٹھویں صدی میں مغربی اسلامی ممالک(یعنی اندلس، مراکش وغیرہ) کے تعلیمی انحطاط کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

" یہاں کے طلبہ اساتذہ سے سوال جواب کرنے کے عادی نہیں ہیں ،برسوں گذر جاتے ہیں اور ان کی زبانوں کا مہر سکوت نہیں ٹوٹتا،اس سے ان کی ذہنی صلاحیتیں مر جاتی ہیں،اس کے برعکس مشرقی ممالک کے طلبہ ذہین ہوتے ہیں،اہل مغرب کے مقابلے میں ان کی عقلیں کامل ہوتی ہیں،اور وہ بحث و تحقیق اور گفتگو کا بہتر سلیقہ رکھتے ہیں،یہ دونوں علاقوں کے طلبہ میں بین فرق محسوس ہوتا ہے(مقدمۂ ابن خلدون ص ۳۶۱)

(۲)

فقہ اسلامی کو ایک زندہ فن کے طور پر پڑھانے کی ضرورت

اس موقعہ پر میں اہمیت کے ساتھ اس بات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں،ہم فقہ اور اصول فقہ کی تدریس میں روایتی انداز سے اوپر اٹھنے کو تیار نہیں ہیں،ہم نے فقہ کو بھی دیگر فنون کی طرح ایک روایتی فن بنا دیا ہے،ہمیں اس سے اوپر اٹھ کر اس کو ایک زندہ فن کے طور پر پڑھانے کی کوشش کرنی چاہئے ،یہ فن نہیں

قانون حیات ہے، زندگی سے اس کا اٹوٹ رشتہ ہے، اس لئے دیگر قوانین کی فنی ترتیب کو پیش نظر رکھتے ہوئے کم از کم منتہی درجات کے طلبہ کے سامنے فقہ اسلامی کی تشریح کی جانی چاہئے، فقہ کو قانون اور زندگی کے نظام العمل کے طور پر سمجھایا جائے، طلبہ کے ذہنوں میں اس تصور کو فروغ دیا جائے کہ یہ واحد قانون ہے جو بلا امتیاز رنگ ونسل اور بلا تفریق مذہب وملت ساری دنیا کی سربراہی کر سکتا ہے، اس کے لئے فقہ اسلامی کی نئی قانونی تعبیرات وتشریحات سے خود کو مانوس کرنا ہوگا، اس سلسلے کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ہوگا، پھر ایک زندہ فن کے طور فقہ واصول فقہ کی تدریس عمل میں آئے گی انشاء اللہ ،اگر آپ اس اعتبار سے فقہ اسلامی کی تعبیر وتشریح کرنے پر آمادہ ہوں، تو اس کے لئے میرے خیال میں درج ذیل نکات کو ملحوظ نظر رکھنا ہوگا :

اسلامی قانون کے بنیادی اجزاء-جدید اصطلاحات کے مطابق

انسانی حاجات اور مصالح پر نگاہ ڈالی جاے تو فقہ اسلامی کو بنیادی طورپر تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱)بندہ اور خداکارشتہ (۲)فرد اور جماعت کا رشتہ

(۳)ملکوں اور ریاستوں کے بین الاقوامی تعلقات اسلامی قانون ان تینوں شعبوں کو محیط ہے، البتہ انسانی قانون کی طرح یہاں ہر شعبہ کو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہیں کیاگیاہے، بلکہ ایک ہی قاضی کے سامنے

ہر طرح کے مقدمات آسکتے ہیں، اور ایک ہی نشست میں مختلف النوع مقدمات کے فیصلے وہ صادر کرسکتاہے۔

مگرانسانی حاجات، تعلقات، اورمصالح کے لحاظ سے اگرہم قانون اسلامی کا تجزیہ کریں تو اس کو ہم آٹھ حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں، اوریہ آٹھوں حصے حیات انسانی کے تمام پہلوؤں کومحیط ہیں۔

(۱) فقہ الأسرۃ (عائلی قوانین)

اس ذیل میں نکاح، طلاق، رضاع، حضانت، نفقات، حجر، وصیت، میراث، اور ولایت کے مسائل آتے ہیں، فقہاء نے ان موضوعات کے احکام مستقل ابواب میں بیان فرمائے ہیں، آج کی قانونی اصطلاح میں ان مسائل کو (احوال شخصیہ) پرسنل لاء کانام دیاجاتا ہے۔

(۲) مالی معاملات

مالی معاملات افرادکے درمیان ہوں یا جماعتوں کے درمیان، اور تمدنی نوعیت کے ہوں یا تجارتی نوعیت کے، سب اس میں داخل ہیں، فقہاء نے ان سے متعلق مسائل کتاب البیوع میں باب الربا، سلم، قرض، رہن، کفالت، وکالۃ، اجارۃ، صرف، مزارعۃ، غصب، صلح، حوالہ، ودیعۃ، شفعۃ، عاریۃ، ہبہ، شرکۃ، مضاربۃ،اور تفلیس وغیرہ کے مختلف ابواب میں بیان فرمائے ہیں، علا وہ ازیں فقہاء نے اپنے دور کے بہت سے

تمدنی، تجارتی، اورمشارکت کی صورتوں کے احکام ذکر کرنے کے بعد "عرف"کاایک ضابطہ مقرر فرمادیاہے، اور بعض اصولی نوعیت کے قواعد عامہ بیان کردیئے ہیں، جن کی روشنی میں ہردور کے جدید معاملات ومسائل کی تطبیق ہوسکتی ہے۔

(۳) تمدنی مرافعات (سِول قوانین)

سِول قوانین سے مراد وہ مجموعۂ قوانین ہے جس میں عائلی مسائل، یامعاملات کے احکام وغیرہ کی تنفیذ کے لیے اگرعدالتی کاروائی کی ضرورت ہو، تومقدمہ کی پیشی سے لے کر کارروائی اورفیصلہ تک کے جملہ مسائل بیان کئے گئے ہیں،ان مسائل کوفقہاء نے کتاب الدعویٰ،کتاب القضاء، کتاب الشہادۃ، اورکتاب الاقرار، کے تحت بیان کیاہے، بعض علماء نے ان مسائل پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً معین الحکام، لسان الحکام،تبصرۃ الحکام، اورالطرق الحکمیۃ، وغیرہ ان کتابوں میں اسلام کے عدالتی نظام کوواضح کیاگیاہے، عدالتوں میں مقدمات کی پیشی کس طرح ہوگی؟ اظہاردعویٰ کیسے ہوگا؟ دعویٰ کب صحیح ماناجائے گا اور کب نہیں؟ (مثلاً اگر قاضی کے روبرو دعویٰ پیش کیاجائے تو دعویٰ صحیح ہوگا اوراگراس کے روبرو پیش نہ ہو تودعویٰ صحیح نہ ہوگا وغیرہ) فقہاء نے نظام قضاء" پرمستقل کتابیں بھی تحریر کی ہیں، ان میں قاضی کی

شرائط،اختیارات،وظیفہ، طریق تقرر، اورمقدمات، کے فیصلہ کے لیے ضروری قواعد سے بحث کی گئی ہے۔

(۴) بین الاقوامی مخصوص قوانین

کبھی مقدمات میں مسلم طبقہ کے ساتھ غیرمسلم افراد بھی بحیثیت فریق شامل ہوتے ہیں، یاغیرملکی مقیم لوگوں (جو ویز الیکر دارالاسلام میں داخل ہوئے ہوں) کے درمیان کوئی تنازعہ پیداہو اوروہ عدالت کی طرف رجوع ہوں، ایسے معاملات اورمسائل کے احکام ملکی قوانین کے ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں، فقہاء نے مستقل ابواب میں اہل ذمہ، مستامن، اورحربی کے عنوانات کے تحت اس قسم کے احکام سے بحث کی ہے، علاوہ ازیں کتاب السیر اورکتاب الجہاد میں بعض ایسے اصول مقرر کردیئے گئے ہیں جن کے مطابق ذمی اور مستامن یا کافرومسلم کے درمیان پیداہونے والے اختلافات کو حل کیاجاسکتا ہے۔

(۵) سیاست شرعیہ یا سلطانی قوانین

اس حصۂ قوانین میں تشکیل حکومت،تنصیب عمال وقضاۃ،حکمراں کے انتخاب کا طریقہ، شرائط اوراہلیت، حکومت اورعوام کا رشتہ، حکومت پر عوام کے حقوق، حکومت کے تئیں عوام کی ذمہ داریاں اوراحساسات، اور تقسیم کارکے اصول سے متعلق مسائل واحکام

آتے ہیں، فقہاء نے کتاب السیر والجہاد کے تحت ان احکام سے بحث کی ہے، اور بعض نے اس پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً علامہ ابن تیمیہؒ (متوفیٰ ۷۲۸ھ) کی "کتاب السیاسۃ الشرعیۃ" قاضی ابویعلیٰ الماوردی الحنبلی (متوفیٰ ۴۵۸ھ) کی "الاحکام السلطانیۃوالولایات الدینیۃ" اورعلامہ ابن قیم جوزی (م ۷۵۱ھ)کی الطرق الحکمیۃ، وغیرہ۔

جدید قانون کی زبان میں اس قسم کے قوانین کو "دستوری اور اداری احکام" کہاجاتا ہے۔

(۶) مالیاتی قوانین

یعنی ایسے قوانین جن میں بیت المال اورسرکاری خزانہ کے نظام، وسائل آمدنی، مصارف اورطریقۂ صرف، ذمہ داریاں، اوردیگر مسائل سے بحث کی جاتی ہے، فقہاء نے عام طورپر الزکاۃ، العشر، الخراج، الجزیۃ، الرکاز، وغیرہ ابواب کے تحت ان مسائل کوبیان کیاہے، اس موضوع پربعض فقہاء نے مستقل کتابیں بھی تحریر کی ہیں، مثلاً قاضی ابویوسفؒ نے ہارون رشید کی فرمائش پر ریاست کے مالی نظام کے موضوع پر کتاب الخراج کے نام سے مستقل کتاب تالیف فرمائی، اسی طرح ابوعبیدۃ کی کتاب الاموال، اوریحی بن آدم القرشی کی کتاب الخراج بھی اس موضوع پر بہت اہم ہیں۔

(۷)بین الاقوامی قوانین (خارجہ تعلقات کے احکام)

اس سے مراد ایسے قوانین ہیں جن میں ملکوں اوراقوام عالم کے باہمی تعلقات پرروشنی ڈالی جائے، حالت جنگ اورحالت امن میں ایک ملک کی دوسرے ملک کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کیاہوگی؟ اور ایک دوسرے پرکیا اخلاقی اور قانونی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ اس نوع کے مسائل واحکام بیان کئے جاتے ہیں، فقہاء نے سیر ومغازی، اورکتاب الجہاد، کے تحت اس قسم کے مسائل سے مفصلاً بحث کی ہے اور بعض اہم کتابیں بھی اس موضوع پر تالیف کی ہیں، مثلاً امام محمد بن الحسن شیبانی کی کتاب "السیرالصغیر" اور السیر الکبیر" امام اوزاعی کی "السیر" اورامام ابویوسفؒ کی "الرد علی سیر الاوزاعی" وغیرہ۔

(۸) عقوبات (قانون تعزیر)

فقہاء نے اس ذیل کی تفصیلات،جنایات، دیات، معاقل، قسامۃ، قطاع الطریق، بغاۃ،اور حدود وتعزیرات کے ذیل میں ذکر کی ہیں، بہت سے جرائم کی سزا اسلامی عدالت کی صوابدید پرچھوڑ دی ہیں، البتہ ایسے ضابطے ذکرکردیئے ہیں جن پرنئے مسائل واحکام کی تطبیق کی جاسکتی ہے۔

غرض اسلام ایک کامل نظام قانون ہے، اورہر جدیدسے جدیدتر

مسئلہ کا حل اس کی روشنی میں نکالا جاسکتا ہے، انفرادی زندگی ہویا اجتماعی زندگی اور تہذیبی اور عمرانی ترقیات کا باب ہو یا سیاسی اور بین الاقوامی مسائل کا شعبہ،اسلامی قانون ہر مرحلے پر مکمل رہنمائی کرتا ہے۔

ومن احسن من اللّٰہ حکما لقوم یو قنون

(المائدۃ:۵۰)

ترجمہ: اللہ سے بڑھ کر حکم و قانون کس کا ہو سکتا ہے، بشرطیکہ یقین کرنے والی قوم ہو۔

اس بحث کے بعد انسانی قوانین کے تناظر میں اسلامی قانون کی تفہیم و تشریح کی جائے ،دراصل طلبہ ہمارے مدارس سے فارغ ہونے کے بعد جب کار گاہ حیات میں قدم رکھتے ہیں،تو متعدد ایسی قانونی پیچیدگیوں کا انہیں سامنا ہوتا ہے کہ وہ بادی النظر میں محسوس کرتے ہیں کہ ہم نے تو اس تعلق سے کچھ پڑھا ہی نہیں،حالانکہ یہ تمام قانونی مباحث مختلف عنوانات اور ترتیب کے تحت ان کے سامنے سے گذر چکے ہوتے ہیں ،مگر وہ اس کی معرفت نہیں رکھتے ،اس لئے فراغت سے پہلے پہلے ان کے سامنے یہ تشریحات بھی آجانی چاہئیں،تاکہ وہ احساس کمتری کے شکار نہ ہوں:

انسانی قوانین کے اقسام

قانون اسلامی میں قانون وضعی کی تمام تر تفصیلات موجود ہیں،

مگراس کے لیے مناسب ہے کہ وضعی قوانین کے بنیادی حصوں پر ایک نظر ڈال لیں۔

وضعی قانون کی بنیادی طورپر دوقسمیں ہیں۔

(۱) قانون عام (کامن لاء)

(۲) قانون خاص (پرسنل لاء)

اس تقسیم کی بنیاد ریاست کے وجود یاعدم وجود کے تصور پر ہے، ریاست اوراس سے پیدا ہونے والے روابط کا وضعی قوانین میں بڑادخل ہے۔

اگر قانون میں ریاست کوبطور ایک فریق تسلیم کیاگیا ہواوراس کے لحاظ سے افراد یاریاستوں کے تعلقات پرروشنی ڈالی گئی ہو تو اس کو قانون عام کہاجاتا ہے۔

اوراگرقانون میں ریاست اورحکومت کے مسائل زیربحث نہ ہوں بلکہ افراد واشخاص کے باہمی تعلقات یا شخصی مفادات کے مسائل زیربحث ہوں تواس کو قانون خاص کہاجاتا ہے۔

قانون عام کی دوقسمیں ہیں۔

(۱)خارجہ قانون جس کو بین الاقوامی قانون بھی کہاجاتا ہے۔

(۲) داخلی قانون

خارجہ یابین الاقوامی قانون سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جس میں ریاستوں کے تعلقات اورواجبات سے بحث کی گئی ہو، خواہ حالت جنگ سے متعلق ہو یاحالت امن سے۔

(۲)اورداخلی قانون سے مراد وہ مجموعۂقواعد ہے جس میں تشکیل حکومت،معیار اورطریق کار، فرداور حکومت کے رشتہ،اوردونوں کے تیئں اپنی اپنی ذمہ داریوں سے بحث کی گئی ہو۔

داخلی قانون کی چار قسمیں ہیں۔

(۱)آئینی قانون (۲) انتظامی قانون (۳) مالی قانون (۴) قانونِ تعزیر

(۱) آئینی قانون سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جن میں تشکیل حکومت کے نظام اورطریقۂ کار، دیگرسرکاری محکمہ جات کے اختیارات،فرائض اور باہم محکمہ جاتی روابط، افراد کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت، شہریوں کے اساسی حقوق اور ان کی آزادی کی ضمانت وغیرہ مسائل سے بحث کی گئی ہو۔

(۲) انتظامی قانون سے مراد وہ مجموعۂقواعد ہے جن میں حکومت کے طریقہ ٔکار، اختیارات کے استعمال کے حدود، مقررہ ضروریات وخدمات کے لیے مقررہ اشخاص وافراد کا تقرر، مرکز سے ریاستوں کے تعلقات کی نوعیت، اوردیگر انتظامی امور، ملازمت کے

شرائط، اوران کی نگرانی وتحفظ کے ضوابط سے بحث کی گئی ہو۔

(۳)مالی قانون سے مراد حکومت کے مالیاتی نظام سے متعلق قواعد ہیں، اس میں بالعموم چار طرح کے مسائل زیر بحث ہوتے ہیں۔

(۱)عمومی اخراجات(۲)عمومی آمدات(۳)عمومی قرضے(۴)حکومت کا بجٹ

(۴)قانون تعزیر سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جس میں جرائم کی تحدید وتعریف، مقررہ سزاؤں کابیان،ملزم کے خلاف کارروائی، قانونی اقدامات، اور سزاؤں کی تنفیذوغیرہ احکام سے بحث کی گئی ہو۔

قانون خاص

(۱)قانون خاص سے مراد وہ مجموعۂ قواعد ہے جن میں ان روابط وتعلقات سے بحث کی گئی ہو جس میں ریاست بحیثیت فریق شامل نہ ہو، اس میں عام شہری تعلقات پر، یاحکومت کے ساتھ شہریوں کے معاملات کس نوعیت کے ہونے چاہئیں، اس پر روشنی ڈالی گئی ہو۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں:

(۱) شہری قانون (۲) تجارتی قانون (۳) بحری قانون (۴) عملی قانون (۵)عدالتی قانون (شہریت اور تجارت سے متعلق) (۶)خاص بین الاقوامی قانون۔

(۱)**شہری قانون** سے مرادوہ مجموعہ قواعد ہے جو شہریوں کے باہمی تعلقات سے بحث کرے، قانون خاص میں یہی قانون سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،دیگر قوانین اس کی فروع ہیں۔

شہری قانون درج ذیل دونوں قسم کے مسائل اورمتعلقات سے بحث کرتا ہے۔

(الف)شخصی احوال (پرسنل لاء) کے مسائل (ب)مالی سرگرمیوں سے متعلق مسائل

(۲)**قانون تجارت**:یعنی تجارتی اعمال سے متعلق قواعد کا مجموعہ۔

(۳)**قانون بحری**:یعنی سمندرمیں جہاز رانی،اورسمندر ی حدود وغیرہ سے متعلق قواعد کامجموعہ۔

(۴)**قانون عمل**:یعنی وہ مجموعۂ قواعد جس میں اجرت وعمل سے متعلق مسائل زیربحث لائے گئے ہوں۔

(۵)**عدالتی قانون**:یعنی حقوق میں اختلاف کے وقت عدالتوں میں مقدمات کی پیشی سے کارروائی تک کے قواعد کا مجموعہ۔

(۶)**بین الاقوامی خاص قانون:**

یعنی غیرملکی افراد کے لیے مخصوص قوانین کامجموعہ جن کی

پابندی غیر ملکی واردین پر بھی عائد ہوتی ہواور مقامی حکومت پر بھی۔(المدخل للعلوم القانونیۃ للدکتور توفیق فرج:ص ۳۵-۲۶)

کتب فقہ میں انسانی قانون کے موضوعات

وضعی قانون کے تمامتر موضوعات، فقہ اسلامی کی کتابوں میں موجود ہیں، فقہ اسلامی کے طالب علم کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان مقامات کوجانے جہاں یہ موضوعات مل سکتے ہیں، چونکہ فقہاء کی ترتیب اورتعبیروضعی قوانین کی ترتیب وتعبیرسے مختلف ہے اس لیے بصیرت کے لیے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ وضعی قانون کی کون سی بحث ہمارے یہاں کہاں مل سکتی ہے؟ ورنہ بسا اوقات طالب علم دھوکہ میں رہ جاتا ہے کہ شاید وضعی قانون کی یہ بحث ہمارے یہاں نہیں آئی ہے : مثلاً بین الاقوامی قانون:

بین الاقوامی قوانین

فقہاء نے اس موضوع پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں،اور فقہی کتابوں میں مستقل ابواب کے تحت ان مسائل سے تفصیلی بحث بھی کی ہے، امام محمد کی کتاب "السیرالکبیر" اس موضوع پرکافی اہم مانی جاتی ہے، بلکہ معاصر علماء قانون بین الاقوامی قوانین کے سلسلے میں اس کتاب کوباواآدم کا درجہ دیتے ہیں۔

دیگر فقہی کتابوں میں بھی یہ موضوع "کتاب السیر والمغازی" کے تحت آیا ہے، بین الاقوامی قوانین کو سیر ومغازی کا نام کیوں دیا گیا؟ اس کی توجیہ کرتے ہوئے امام سرخسی فرماتے ہیں:

"سیر "سیرۃ" کی جمع ہے، ان کو "سیر" اس لیے کہاجاتا ہے کہ اس میں بتایاجاتا ہے کہ مسلمانوں کا کردار مشرکین، معاہدین، محاربین، اہل ذمہ، مرتدین، اورباغیوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہئے، اور "مغازی" اس لیے کہتے ہیں کہ اس باب کے زیادہ تر قواعد غزوات سے ماخوذ ہیں۔(مبسوط للسرخسی:ج ۱۰ /ص۲)

(۱) بین الاقوامی قانون کے عناصر

بین الاقوامی قانون میں ملک کومرکزی شخص کا درجہ حاصل ہے، اسلامی قانون نے ملک اور حکومت کو شخص واحد کادرجہ دیتے ہوئے اس کی تین قسمیں کی ہیں اورہرایک کے جداگانہ احکام بیان کئے ہیں۔

(۱)**دارالاسلام:** وہ ملک جس میں مسلمانوں کواقتدار اعلیٰ اور غلبۂ قوت حاصل ہو۔

(۲)**دارالحرب:** وہ ملک جس میں مسلمانوں کو غلبہ واقتدار حاصل نہ ہو اورنہ اس سے کسی مسلم ملک کا کوئی معاہدہ ہو۔ (۳)**دارالعہد:** وہ ملک جس میں مسلمانوں کوغلبہ واقتدار حاصل نہ ہولیکن وہ کسی اسلامی

ملک سے معاہداتی تعلق رکھتاہو۔

(۲) قانونی بالادستی

اسلامی قانون میں اطاعت کا تصور صرف ملکی حدود کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، (جیسا کہ عصر جدید کے بین الاقوامی قوانین میں معروف ہے) بلکہ یہ دینی اور ملکی دونوں بنیادوں پر استوار ہوتا ہے، اسی لیے اسلامی قانون کے مطابق مسلمان خواہ دنیا کے کسی حصے کا متوطن ہو اس پر اسلامی قانون کی اطاعت لازم ہے۔

اسی طرح دارالاسلام کے تمام شہریوں پر بھی اسلامی قانون کی بالادستی تسلیم کرنا لازم ہے، خواہ وہ مسلمان ہوں یاذمی، یاامان لے کر ملک میں داخل ہونے والے افراد، البتہ ہرطبقہ کے لیے جداگانہ قوانین ہیں، اورہرطبقہ پراس کے مخصوص قوانین ہی عائد ہوں گے۔

فقہاء نے ذمیوں کے مخصوص احکام پر مستقل ابواب قائم کئے ہیں، اورکتابیں لکھی ہیں علامہ ابن القیم کی کتاب "الطرق الحکمیۃ" اس موضوع پر کافی مفصل اور اہم ہے ۔

(۳) ریاست

ریاست مملکت ہی کا ایک جزو ہے،اس پر ملکی قانون کی تعمیل لازم ہوتی ہے، فقہاء نے ملک کی مختلف قسموں،دارالاسلام، دارالحرب،

اوردارالعہد، کے علاوہ ریاست کے وجود پر بھی بحث کی ہے، اور مرکز اورریاست کے تعلقات پرروشنی ڈالی ہے، فوجی اورمرکزی طورپر ریاست ملکی امیر اور قانون کی پابند ہے۔

(۴) توسیع مملکت کا ضابطہ

ریاست یا صوبہ بین الاقوامی قانون کے مطابق اس قطعۂ اراضی کانام ہے جس پر ہر مملکت اپنا قبضہ وتسلط حاصل کرنا اوربرقراررکھناچاہتی ہے، اورو ہ مملکت کے بنیادی عناصر کا حصہ ہوتا ہے۔

کسی نئی ریاست پر قبضہ کے کئی طریقے ہیں:

(۱)استیلاء(۲) رابطہ(۳) کوئی مملکت کسی حق کی بناپر کسی حصہ سے دستبردار ہوجائے۔(۴)فتح (۵) قبضۂ اولین

فقہاء نے ان طریقوں سے بحث کی ہے، بالخصوص فتح اور دستبرداری کے طریقے پر، اسی طرح ان نوآبادیات سے حاصل شدہ آمدنی کے بارے میں بھی گفتگوکی ہے.....مثلاً:

مسلمانوں کے زیرقبضہ اراضی کی تین قسمیں ہیں:

(۱)وہ اراضی جن پر مسلمانوں نے بزور قبضہ حاصل کیاہواوردشمنو ں کوقتل، قیدیا جلاوطن کرکے وہاں سے بے دخل کردیاہو۔

(۲)وہ اراضی جہاں دشمنوں کو معاف کرکے قبضہ کرلیا گیاہواور پھر انہی کے زیر تصرف چھوڑ دیا گیاہو۔

(۳)وہ اراضی جن پر صلح ومعاہدہ کے مطابق قبضہ حاصل ہوا ہو۔

امام ابوعبید قاسم بن سلام نے ان کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"بہ زور حاصل شدہ ملکوں کے باشی اگر مسلمان ہوجائیں توان کی زمینات اورجائدادیں ان کی ملکیت میں باقی رہیں گی، اورجن اراضی پر مقررہ پیداوار دینے کی شرط پربطور مصالحت قبضہ ہوا ہو ان کے ساتھ معاہدہ کے مطابق معاملہ کیاجائے گا........البتہ جن اراضی کوبزور حاصل کیا جائے اور وہاں کے لوگ مسلمان نہ ہوں تواس میں فقہاء کا اختلاف ہے، بعض حضرات کی رائے ہے کہ ان اراضی پرمال غنیمت کا حکم عائد ہوگا،اوربعض نے امام المسلمین کی صوابدید پرچھوڑدیاہے،.... البتہ جو علاقہ بطور معافی حاصل ہو وہ اسلامی مملکت کا موقوفہ علاقہ قرارپائے گا، اورجوعلاقہ بطور مصالحت حاصل ہو وہ ایک رائے کے مطابق دارالاسلام قرارپائے گا، اوردوسری رائے میں وہ دارالاسلام کاحصہ نہ ہوگا، بلکہ دارالاسلام سے الگ دارالعہد کہلائے گا، جو داخلی مسائل میں

آزاد ہوگا، مگر خارجی معاملات میں دارالاسلام کے قوانین خارجہ کا پابند ہوگا۔"

(۵)معاہداتی ذمہ داری

وہ تمام ممالک اور علاقے جو معاہدہ کے مطابق اسلامی مملکت کا حصہ ہیں وہ خارجہ قوانین کے مطابق معاہدات کے لیے جواب دہ ہوں گے، اور معاہدے کی خلاف ورزی کی صورت میں ہونے والے نقصانات کے ذمہ دار ہوں گے۔

فقہاء نے ان معاہدات کی تعمیل وتکمیل کے تعلق سے مفصل بحثیں کی ہیں، اور ایفائے عہد کو لازمی جزو قرار دیا ہے، کتب فقہیہ میں اس قسم کے کئی معاہدات کا تذکرہ ملتا ہے، مثلاً جنگ بندی کا معاہدہ، عہد جوار، عہد وصلح دائم، عہد صلح موقت، اہل معاہدہ اور ذمیوں کے خاص معاہدات وغیرہ، اسی طرح انہوں نے یہ بحث بھی کی ہے کہ کن حالات وظروف میں معاہدہ کو کالعدم قرار دیا جائے گا، اسی طرح جو معاہدہ قرآن وسنت کے خلاف ہو وہ باطل اور کالعدم ہوگا انہوں نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ جو ممالک معاہدات میں شامل ہیں ان میں سے کوئی اگر نقض عہد کا مرتکب ہوگا، تو اس کے خلاف جنگی کارروائی کی جاسکتی ہے۔

(۶)رفع منازعات کے ضابطے

اگر دوملکوں یا دوریاستوں میں کسی قسم کا تنازعہ پیداہوجائے،تواس تنازعہ کے خاتمے کاپرامن راستہ یہ ہے کہ دونوں ملک باہم بات چیت کے ذریعہ معاملہ کا تصفیہ کرلیں،یاکوئی فرد یا ملک دوستانہ طورپر دونوں کے درمیان مصالحت کی کوشش کرے، یاپھر کوئی ملک باقاعدہ ثالثی کا کردار اداکرے، یاپھر بین الاقوامی عدالت میں مقدمہ دائرکیاجائے۔

مگر کبھی پرامن طریقے تنازعہ ختم کرنے میں ناکام ہوجاتے ہیں توعالمی برادری کو جبری طریقہ اختیار کرنا پڑتاہے، یعنی تشدد کا جواب تشدد سے مثلاًفوجی کارروائی، بھاری ٹیکسوں کاتعین، یاتمدنی رکاوٹیں یا بحری یااقتصادی ناکہ بندی وغیرہ۔

موجودہ بین الاقوامی قانون میں یہ طریقے سترہویں صدی کے نصف اول کے بعد کی ایجادہیں اس سے پہلے مروجہ عالمی قوانین میں ان کاسراغ نہیں ملتا۔

لیکن شریعت اسلامیہ اورفقہ اسلامی میں اس کی نظیریں پہلے سے موجود ہیں، اورفقہاء نے فرد اور ریاست یادوریاستوں کے درمیانی اختلافات کے مسئلہ پرروشنی ڈالی ہے۔

مثلاً کسی ملک یاقوم سے جنگ کے لیے شریعت اسلامیہ لازم قراردیتی ہے کہ پہلے دعوت اسلام دی جائے، پھردوستی کی پیش کش کی جائے، اس کے بعد جنگ کا نمبرہے، اورجنگ کو بھی صرف دومقاصد کے لیے جائز قراردیتی ہے(۱) راہ خدا میں حائل رکاوٹوں کودورکرنے کے لیے(۲) دوسرے اپنے ضروری دفاع اور تحفظ کے لیے۔ تخریب کاری اوردہشت گردی کو ممنوع قراردیاگیا ہے، جنگ کوصرف میدان جنگ تک محصور کیاگیاہے، خفیہ جنگی کارروائی یاگوریلا جنگ کی سوائے شدید حالات کے اجازت نہیں دی گئی ہے، عورتوں،بچوں اور بوڑھوں کوقتل کرنے سے منع کیاگیا۔

اس طرح شریعت اسلامیہ نے جنگ کے خاتمے کی تین صورتیں مقرر کی ہیں۔

(۱)جن مقاصد کے لیے جہاد ہے ان کو پورا کردیاجائے، جنگ خود ختم ہوجائے گی۔

(۲) وقتی جنگ بندی کرکے دونوں فریقوں کوسوچنے کی مہلت دی جائے۔

(۳)تیسری صورت یہ ہے کہ دائمی طورپر دونوں فریق باہم مصالحت کرلیں۔

اسی طرح قانون اسلامی نے قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک اوراکرام کی تلقین کی، اور حکمرانوں کواختیاردیا کہ چاہیں توفدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیں اورچاہیں توبلافدیہ آزاد کردیں۔

اس طرح کی بعض نظیریں شریعت اسلامیہ میں پہلے سے موجود ہیں، جدیدحالات میں بین الاقوامی اختلافات کوان کی روشنی میں حل کیاجاسکتا ہے، اوران سے بعض قواعد واصول نکالے جاسکتے ہیں۔

قانون داخلی

داخلی قانون کی چار قسمیں ہیں:

(۱) آئینی قانون(۲)انتظامی قانون(۳)فوجداری قانون (۴) مالی قانون فقہاء نے ان قوانین سے بھی تعرض کیاہے، مثلاً

(۱)آئینی قانون:

آئینی قانون کے تعلق سے فقہاء نے درج ذیل مقامات پر بحث کی ہے، امامت، خلافت، بیعت، حکمرانوں کی شرائط،حکومت پرعوام کے حقوق، عدل،مساواۃ، اور شوریٰ وغیرہ۔

(۲)انتظامی قانون:

جس میں نظم مملکت کے قواعد آتے ہیں، کتب فقہ میں یہ بحث السیاسۃ الشرعیۃ" یا الاحکام السلطانیۃ" کے تحت آتی ہے بعض علماء نے اس

پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، مثلاً ابن تیمیہ کی "السیاسۃ الشرعیۃ" ابویعلیٰ کی "الاحکام السلطانیۃ"اور ماوردی کی الاحکام السلطانیۃ" وغیرہ۔

(۳)فوجداری قانون: کے مباحث کتب فقہ میں،جنایات، قطاع الطریق اور حدودو تعزیرات کے تحت ملتے ہیں، بعض جرائم کی سزائیں شریعت نے خود مقرر کردی ہیں، اور بعض کو قاضیوں اور عدالت کی صوابدید پر چھوڑدیاہے۔

(۴)مالی قانون:فقہاء نے متفرق مقامات پر اس تعلق سے گفتگو کی ہے، کتاب الزکوٰۃ، عشر، خراج، جزیہ، رکازوغیرہ، بعض فقہاء نے اس پر مستقل کتابیں بھی لکھی ہیں، مثلاً امام ابویوسفؒ کی کتاب الخراج، اورابوعبید قاسم بن سلام کی کتاب الاموال"وغیرہ۔

قانون خاص

اس میں قانون دیوانی، قانون تجارت، اورعدالتی قوانین آتے ہیں۔

قانون دیوانی

کتب فقہ میں اس تعلق سے بھی مسائل واحکام موجود ہیں، اورمعاملات کی مختلف قسمیں فقہاء نے بیان کی ہیں۔

قانو ن تجارت

کتاب الشرکۃ، المضاربۃ، التفلیس، وغیرہ کے عنوانات سے اس موضوع پر گفتگو کی گئی ہے اورفقہاء نے اپنے دور کی مروجہ یا ممکنہ صورتوں کے احکام بیان کئے ہیں، اورآئندہ کے لیے بعض اصول اورعرف کومعیار مقرر کیا ہے جن کی روشنی میں نئے تجارتی مسائل کوحل کیاجاسکتا ہے۔

عدالتی قانون

مقدمات کی پیشی، شہادتوں اوربیانات کی سماعت اورعدالتی کاراوئی،اورعدالتی احکامات کے نفاذ وغیر ہ کے مسائل سے فقہاء نے ابواب الدعویٰ ،القضاء، الشہادۃ، اورالاقرار، وغیرہ کے تحت گفتگو کی ہے۔

غرض عصرجدید کے قوانین کے تمامتر موضوعات کتب فقہ میں زیربحث آئے ہیں، اوران کی تمام ضروری بنیادیں فقہاء نے فراہم کردی ہیں، رہی یہ بات کہ فقہاء کے یہاں وہ ترتیب کیوں نہیں ملتی جوعصرجدید کی قانونی ترتیب ہے، توغالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس دور میں اس طرح کی تقسیم کی حاجت نہیں تھی، اس لیے کہ عدالت اور قاضی تمام شعبوں کے لیے جداگانہ نہیں ہوتے تھے، تمام مقدمات ایک عدالت میں پیش کئے جاسکتے تھے، اس لیے اس دور میں موضوعاتی

تقسیم کی ضرورت نہیں تھی، عصر جدید میں چونکہ موضوعات کے لحاظ سے شعبوں کی تقسیم عمل میں آگئی ہے، اور ہر عدالت ہر طرح کا مقدمہ نہیں لے سکتی، بلکہ مخصوص شعبوں کے لیے مخصوص عدالتیں قائم کی گئی ہیں، اس لیے ترتیب جدید کی حاجت پڑی۔

اختر امام عادل قاسمی

خادم التدریس والافتاء والاہتمام جامعہ ربانی منوروا شریف